اسلامی جہاد کی حقیقت قرآن وحدیث کی روشنی میں

از: مولانا نصیر الدین قاسمی ولید پوری
استاذ مدرسہ دار العلوم محمدیہ قصبہ گدر پور

انسان کی جان اور اس کا خون محترم ہے، دنیا کے سارے مذاہب میں احترامِ نفس کا یہ اصول موجود ہے اور جس مذہب اور قانون میں اس دفعہ کو تسلیم نہیں کیا گیا ہے، اس مذہب اور قانون کے تحت رہ کر کوئی انسان پُر امن زندگی نہیں گذار سکتا ہے۔

اور اگر خالص انسانیت کی نظر سے دیکھا جائے، تو اس لحاظ سے بھی کسی ذاتی مفاد کی خاطر اپنے بھائی کو قتل کرنا، بدترین جرم ہے، جس کا ارتکاب کر کے انسان میں کوئی اخلاقی بلندی پیدا کرنا تو در کنار، اس کا درجۂ انسانیت پر قائم رہنا بھی ناممکن ہے۔

دنیا کے سیاسی قوانین، تو انسانی احترام کو صرف سزا کے خوف سے قوت کے بل بوتے پر قائم کرتے ہیں؛ مگر ایک سچے دین و مذہب کا کام انسانی دلوں میں اس کی صحیح قدر و قیمت پیدا کر دیتا ہے؛ تاکہ جہاں انسانی تعزیر کا خوف نہ ہو، وہاں بھی ایک انسان دوسرے انسان کا خون کرنے سے پرہیز کرے، اس نقطۂ نظر سے احترامِ نفس کی جیسی صحیح اور موٴثر تعلیم اسلام میں دی گئی ہے، وہ کسی دوسرے اور ادیان و مذاہب میں ناپید ہے، قرآن کریم میں مختلف جگہوں پر مختلف انداز و پیرایہ سے اس تعلیم کو انسانی دلوں میں دل نشیں کیا گیا ہے؛ چنانچہ ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ أَثَاماً﴾ (الفرقان:۶۸) ترجمہ: ”اور جس ذات کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے ہیں، ہاں مگر حق پر اور وہ زنا نہیں کرتے اور جو شخص ایسے کام کرے گا تو سزا سے اس کو سابقہ پڑے گا۔“

اس تعلیم کے اولین مخاطب وہ لوگ تھے، جن کے نزدیک انسانی جان و مال کی کوئی قدر

و قیمت نہ تھی اور جو اپنے ذاتی مفاد کے لیے اولاد جیسی عظیم نعمت کو بھی موت کے گھاٹ اتارنے میں فخر محسوس کیا کرتے تھے؛ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طبیعتوں کی اصلاح کے لیے خود بھی ہمیشہ احترامِ نفس کی تلقین کیا کرتے تھے، احادیثِ مبارکہ کا مطالعہ کرنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ اس قسم کے ارشادات و بیانات سے بھرا پُرا ہے، جس کے اندر ناحق خون بہانے کو گناہِ عظیم اور بدترین جرم بتایا گیا ہے، جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ”الكبائرُ الإشراكُ باللّٰهِ وقتلُ النفُسِ وعقوقُ الوالدينِ واليَمِينُ الغَمُوسُ“ (مشکوٰۃ: ۱۷، باب الکبائر وعلامات النفاق) ترجمہ: بڑے گناہوں میں سے اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جان مارنا، والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی قسمیں کھانا ہے۔

حرمت نفس کی یہ تقسیم کسی فلسفی یا معلم اخلاق کی نہ تھی کہ اس کا دائرۂ کار صرف کتابوں کی حد تک محدود رہتا؛ بلکہ وہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم تھی، جن کا ہر ہر لفظ مسلمانوں کے لیے ایمان و یقین کا درجہ رکھتا ہے، جن کی پیروی ہر اس شخص پر واجب اور ضروری ہو جاتی ہے، جو کلمۂ توحید (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) کا اقرار کرتا ہو؛ چنانچہ ایک چوتھائی صدی کے قلیل عرصہ میں ہی اس تعلیم کی بدولت عرب جیسی خونخوار اور جانور نما قوم کے اندر احترامِ نفس اور امن پسندی کا ایسا مادہ پیدا ہوا کہ ایک عورت رات کی تاریکی میں تنِ تنہا قادسیہ سے صنعا تک سفر کرتی تھی اور کوئی اس کی جان و مال پر حملہ نہ کرتا تھا اور بہ حفاظت وہ اپنی منزل تک پہونچ جایا کرتی تھی؛ حالانکہ یہ انھیں درندوں اور لٹیروں کا شہر اور ملک تھا، جہاں بڑے بڑے دل گردے والے بھی گذرتے ہوئے لرز جایا کرتے تھے، گویا کہ حیوانیت اور قساوتِ قلبی ان کے لیے عام بات تھی، ایسے سنگین حالات میں اسلام نے ببانگِ دُہل یہ آواز بلند کی: ﴿وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ (الفرقان:۶۸) ”یعنی انسانی جان کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے، اس کو ناحق قتل مت کرو؛ مگر اس وقت جب کہ حق اس کے قتل کا مطالبہ کرے“ اس آواز میں ایک قوت و طاقت تھی؛ اس لیے دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہونچی اور اس نے انسانوں کو اپنی جان کی صحیح قدر و قیمت سے آگاہ کیا، خواہ کسی قوم و ملت نے یا کسی ملک و شہر نے اسلام کو اختیار کیا ہو یا نہ کیا ہو، اجتماعی تاریخ کا کوئی بھی انصاف پسند انسان اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ دنیا کے اخلاق و قوانین میں انسانی جان کی حرمت و کرامت قائم کرنے کا جو فخر مذہبِ اسلام کو حاصل ہے وہ کسی دوسرے ادیان و مذاہب کو حاصل نہیں۔

غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ﴿وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ﴾ ہی

نہیں فرمایا؛ بلکہ ﴿اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ بھی کہا گیا، ایسے ہی ﴿مَنْ قَتَلَ نَفْساً فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعاً﴾ ہی نہیں فرمایا؛ بلکہ اس کے ساتھ ﴿بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِیْ الْاَرْضِ﴾ بھی کہا گیا، یہ نہیں کہ کسی بھی جان کو کسی بھی حال میں قتل مت کرو، اگر ایسا کہا جاتا، تو یہ عدل کے بالکل خلاف ہی نہیں؛ بلکہ حقیقی ظلم ہوتا، دنیا کو اصل ضرورت اس بات کی نہ تھی کہ انسان کو قانونی گرفت سے بالکل آزاد کردیا جائے کہ جتنا چاہے، جہاں چاہے، جب چاہے فساد برپا کرے، جس قدر چاہے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے، جس کو چاہے اور جب چاہے بے آبرو کرکے اس کی عزت وآبرو کا جنازہ نکال دے اور ان تمام کے باوجود اس کی جان محترم ہی رہے؛ بلکہ اصل ضرورت یہ تھی کہ دنیا میں امن وامان کی خوش گوار فضا قائم کی جائے اور ایک ایسا منظّم دستور العمل تیار کیا جائے، جس کے تحت ہر فرد اپنی حدود میں آزاد رہے اور کوئی شخص اپنے حدود سے تجاوز نہ کرے، اس غرض کے لیے ﴿اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ کی محافظ قوت درکار تھی ورنہ امن کی جگہ بدامنی ہوتی۔

قتل حق اور قتل ناحق اور قتل بغیر الحق کا فرق

قتل ناحق کی ایسی سخت ممانعت اور قتل حق کی ایسی سخت تاکید کرکے شریعتِ اسلامیہ نے افراط وتفریط کی راہوں کے درمیان عدل وتوسط کی سیدھی راہ کی طرف ہماری راہ نمائی کی ہے، ایک طرف وہ مُسرف اور حد سے تجاوز کرنے والا گروہ ہے، جو انسانی جان کی کوئی قدر و قیمت نہیں سمجھتا اور دوسری طرف وہ غلط فہم اور کورچشم گروہ ہے، جو انسانی خون کی دائمی حرمت کا قائل ہے اور کسی صورت میں بھی اسے بہانا جائز نہیں گردانتا، اسلام نے ان دونوں غلط خیالوں کی تردید کردی اور اس نے یہ تعلیم دی کہ انسانی نفس کی حرمت نہ تو ابدی اور دائمی ہے اور نہ اس کی قدر و قیمت اس قدر ارزاں اور سستی ہے کہ نفسانی جذبات کی تسکین کی خاطر اسے ہلاک کردینا جائز ہو؛ مگر جب وہ سرکشی اختیار کرکے حق پر دست درازی کرتا ہے، تو اپنے خون کی قیمت کو کھودیتا ہے، پھر اس کے خون کی قیمت اتنی بھی نہیں رہ جاتی جتنی کہ پانی کی قیمت ہوتی ہے۔

جنگ ایک اخلاقی فریضہ

جب کوئی جماعت سرکشی پر اتر آتی ہے، تو وہ کوئی ایک فتنہ نہیں ہوتا، جو وہ برپا کرتی ہو؛ بلکہ ان میں طرح طرح کے شیطان صفت انسان بھی شامل ہوتے ہیں اور ہزاروں طرح کے فتنے ان کی

بدولت وجود پذیر ہوتے ہیں، ان شیطانوں میں سے تو بعض طمع وحرص کے پجاری ہوتے ہیں جو غریب قوموں پر ڈاکہ ڈالتے ہیں اور ان کے خون پسینہ سے کمائے ہوئے روپیوں پیسوں کو اپنی عیارانہ چالوں سے لوٹتے ہیں اور پھر اپنی تجوریاں بھرتے ہیں، عدل وانصاف کو مٹا کر جور وجفا کے علم کو بلند کرتے ہیں، ان کے ناپاک اثر سے قوموں کے اخلاق تباہ وبرباد ہوجاتے ہیں، تو ایسی حالت میں جنگ جائز ہی نہیں؛ بلکہ فرض ہوجاتی ہے، اس وقت انسانیت کی سب سے بڑی خدمت یہی ہوتی ہے کہ ان ظالم بھیڑیوں کے خون سے صفحۂ ہستی کے سینے کو سرخ کردیا جائے اور ان مفسدوں کے شر سے اللہ کے مظلوم وبے کس بندوں کو نجات دلائی جائے، جو شیطان کی امت بن کر اولادِ آدم پر اخلاقی، روحانی اور مادی تباہی کی مصیبتیں نازل کرتے ہیں، وہ لوگ انسان نہیں: بلکہ انسانوں کی شکل وصورت میں درندے اور انسانیت کے حقیقی دشمن ہوتے ہیں، جن کے ساتھ اصلی ہمدردی یہی ہے کہ ان کو صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا جائے، ایسے وقت میں ہر سچے، بہی خواہ انسانیت کا اولین فرض ہوجاتا ہے کہ ایسے لوگوں کے خلاف تلوار اٹھائے اور اس وقت تک آرام نہ کرے، جب تک کہ خدا کی مخلوق کو اس کے کھوئے ہوئے حقوق واپس نہ مل جائیں۔

جنگ کی حکمت ومصلحت

جنگ کی مصلحت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حکیمانہ انداز میں بیان فرمایا ہے کہ: ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْراً﴾ (الحج:۴۰): ”اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ دفع نہ کرتا، تو صومعے اور گرجے اور معبد اور مسجدیں، جن میں اللہ کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے، مسمار کردیے جاتے۔“

جنگ کی اسی مصلحت کو ایک دوسری جگہ یوں بیان فرمایا ہے کہ: ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْفَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ (البقرہ:۲۵۱) ترجمہ: ”اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ دفع نہ کرتا، تو زمین فساد سے بھر جاتی؛ مگر دنیا والوں پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔“ (کہ وہ دفعِ فساد کا انتظام کرتا رہتا ہے)

جہاد فی سبیل اللہ

یہی فساد وبدامنی ظلم وجبر کی جنگ ہے، جس کو دفع کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک

بندوں کو تلوار اٹھانے کا حکم دیا ہے؛ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ o الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ﴾ (الحج:۳۹-۴۰) ''جن لوگوں سے جنگ کی جارہی ہے، انھیں لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے؛ کیونکہ ان پر ظلم ہوا ہے اور اللہ ان کی مدد پر یقیناً قدرت رکھتا ہے، یہ وہ لوگ ہیں، جو اپنے گھروں سے بے قصور نکالے گئے، ان کا قصور صرف یہ تھا کہ یہ اللہ کو اپنا پروردگار کہتے تھے'' اس کے اندر جن لوگوں کے خلاف جنگ کرنے کا حکم دیا جارہا ہے، ان کا جرم یہ نہیں بیان کیا جارہا ہے کہ وہ ایک دوسرے مذہب کے پیروکار ہیں؛ بلکہ ان کا جرم واضح انداز میں یہ بیان کیا جارہا ہے کہ وہ ظلم کرتے ہیں، لوگوں کو بے قصور ان کے گھروں سے نکالتے ہیں، ایسے لوگوں کے خلاف صرف مدافعتی جنگ کا حکم نہیں دیا گیا؛ بلکہ دوسرے مظلوموں کی اعانت کا بھی حکم دیا گیا اور تاکید کی گئی کہ کمزور و بے بس لوگو کو ظالموں کے پنجوں سے چھڑاؤ۔

حق وباطل کی حد بندی

پھر اللہ تعالیٰ نے جنگ کی اہمیت وضرورت کو ظاہر کرنے کے بعد یہ تصریح بھی فرمادی:

﴿اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ج وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْآ اَوْلِیَآءَ الشَّیْطٰنِ ج اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا﴾ (النساء:۷۶) ''جو لوگ ایمان دار ہیں، وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اور جو کافر وسرکش ہیں وہ ظلم وسرکشی کی خاطر لڑتے ہیں، پس شیطان کے دوستوں سے لڑو کہ شیطان کی تدبیر لچر ہوتی ہے'' یہ ایک قولِ فیصل ہے، جس کے اندر حق وباطل کے درمیان خط کھینچ دی گئی ہے کہ جو لوگ ظلم وسرکشی کے لیے جنگ کریں گے، وہ شیطان کے حامی ہیں اور جو لوگ ظلم کو مٹانے کے لیے جنگ کرتے ہیں، وہ راہِ خدا کے مجاہد ہیں۔

جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت

یہی وہ جہاد ہے، جس کی فضیلت سے قرآن وحدیث کے صفحات بھرے پُرے ہیں، یہی وہ حق پرستی کی جنگ ہے، جس میں ایک رات کا جاگنا ہزار راتیں جاگ کر عبادت کرنے سے بڑھ کر ہے، جس راہ میں غبار آلود ہونے والے قدموں سے وعدہ کیا گیا ہے کہ ان کو جہنم کی آگ کی طرف نہیں گھسیٹا جائے گا۔

جہاد کی فضیلت کی وجہ

جہاد فی سبیل اللہ کی اتنی فضیلت اور تعریف کس لیے ہے؟ اس جہاد سے دنیا کی دولت اور ملک گیری مقصود نہیں ہے، تو آخر اللہ تعالیٰ اس کے عوض بڑے بڑے درجے کیوں دے رہے ہیں؟ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ اس کی زمین پر فتنہ وفساد پھیلایا جائے، اسے یہ برداشت نہیں ہے کہ اس کے بندوں کو بے قصور تباہ و برباد کیا جائے، پس جو گروہ بغیر کسی حرص وطمع کے محض خدا کی رضا کی خاطر دنیا کو اس فتنہ سے پا کر کرنے کے لیے کھڑا ہو جائے اور اس نیک کام میں اپنا سب کچھ قربان کر دے، اس سے زیادہ اللہ کی محبت، اللہ کی رضامندی کا مستحق کون ہو سکتا ہے؟ اس مضمون کے اندر اسی فضیلت وحقیقت کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ نیکی کے قیام و بقا کے لیے سب سے اہم چیز اس کی حفاظت کرنے والی سچی قربانی کی روح ہے اور جس قوم سے یہ روح نکل جاتی ہے، وہ بہت جلد بدی سے مغلوب ہو کر تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔

* * *